عالمی بحران

از : شیخ ڈاکٹر عبد القادر الصُّوفی

دنیا ادبار و فلاکت کے کس دور سے گزر رہی ہے، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں؛ تاہم ہر کوئی اس کی تحلیل کے سلسلہ میں خود کو بے بس پاتا ہے۔ ہمیں سبز باغ یہ دکھایا گیا تھا کہ جمہوری نظام کے ذریعہ حکومت کی باگ ڈور عوام الناس ہی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ ہم نہ محض مطلق العنانیت بلکہ متعدد وجوہ میں چھپے ہوئے ناقابل رسائی اور پہلے سے متعین شدہ نظام کے تحت سانسیں لے رہے ہیں۔ جس کا نعرہ تو ہے ''انقلاب'' جیسا کہ اطالوی شہنشاہ اور مصنف لیمپی ڈوسا نے باور کرایا؛ مگر تبدیلی کی کوئی لہر وہاں دکھائی نہیں دیتی اور ہر چیز جوں کی توں اپنی پہلی حالت پر برقرار ہے۔

۱۹۴۵ء سے برٹین ووڈ ڈکٹیٹ نے سیاسیات و اقتصادیات کے مابین ایک طبقاتی تقسیم ہم پر عائد کر دی۔ یا اسے دو منتجہ تو لہ یعنی ریاست کی نمائندگی کرنے والی حکومت، اور اشیاء و کیرنیز کی فری مارکیٹ کے درمیان مابہ الامتیاز کے لیے پیش کیا گیا تھا۔ ٹیکس ادا کرنے والے شہریوں سے تو یہ توقع رکھی گئی کہ وہ سماجی بہبود کے لیے اپنا دست تعاون دراز کریں؛ مگر سرمایہ داروں کو اس سے بالاتر رکھا گیا۔ ان کے منافع خود ان کی جیب میں رہے۔ نتیجہ میں وہ سیاسی نظام وجود میں آیا جس کا انحصار ایک طرف تو عوام سے ٹیکس لینے پر ہے اور دوسری طرف عوام کو سرمایہ دار طبقہ کی ماتحتی میں رہنے پر زور بھی دیتا ہے۔ طاقت و دولت دونوں مترادف ہیں، جب کہ طاقت اور پارلیمنٹ باہم متضاد۔ نتیجے میں دو اصطلاحات نے جنم لیا ایک جمہوریت اور دوسری سرمایہ داریت۔ یہی دو الفاظ ہیں جن کے پرپیچ معانی نے پوری دنیا کو جہالت اور تاریکی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈال چھوڑا ہے۔ جس وقت مالیاتی نظام درہم برہم ہوا تو لوگ جھلا کر کہہ اُٹھے: ''تمہیں اس تباہی کا اندازہ کیوں نہیں ہوا؟'' ۔ پھر اس وقت خاطر خواہ جواب تلاشنے مشکل پڑ گئے۔ لہٰذا اگر سیاست کو عمل کے نفاذ میں اپاہج مانا جائے تو فائنس کو بھی فکر و تدبر سے عاری تسلیم کرنا پڑے گا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دولت' طاقت کا سرچشمہ ہے، اور سیاسی طبقے کا اصل چہرہ' سماجی طوائف الملوکی کے ڈھیر سے برآمد ہونے والی شہری گندگی کا شاخسانہ ہے۔ لہٰذا اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی موجودہ صورت حال، سرمایہ داری، اور خیالات کا یکسو ہو کر سنجیدگی سے جائزہ لیں۔

ہماری اولین ذمہ داری یہ ہے کہ پہلے ہم اُن سارے بے وقعت نعروں کے کھول سے خود کو آزاد کریں کہ ۱۹۴۵ء میں یورپ پر امریکہ کی فتح کے بعد جمہوریت کا جال مضبوط ہو گیا۔تاہنوز ۲۰۰۰ء میں بھی امریکہ کا سیاسی طبقہ خیر وشر کے ان متضاد نظریوں کو بڑھاوا دے رہا ہے جسے اتحادیوں نے دوسری جنگ عظیم میں روبہ عمل لایا تھا۔جب کہ آج اس کی وجہ سے مزید جنگوں کے شعلے بھڑک اُٹھے ہیں۔صدرِ اقوام متحدہ کے بیان کے مطابق۔جس سے اس کے شعور و دانش کے اپاہج پن کا اظہار ہوتا ہے۔اصل دشمن ''غنڈے!''ہیں۔پھر اُس کی مخصوص مترجم جماعت نے اس کی تشریح ''ابلیسی قوتوں'' سے کی ہے۔

طاقت وقوت کے نشہ میں چور موجودہ نام نہاد سربرآوردہ قائدین کا دہریوں کی مانند دین ومذہب سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں،اور اُن کے پاس ان اخلاقی اقدار کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کے لیے کوئی مضبوط وثیقہ تک موجود نہیں۔آج پوری دنیا میں اگر بنی نوعِ انساں کی تقدیر کو اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے کوئی بدلنے والا ہے تو وہ بس دنیا کے کروڑوں مسلمان ہیں جو بے پناہ ہوتے ہوئے بھی اپنی کوئی متحدہ حکومت نہیں رکھتے،مگر ان کی دولت ایمانی بساطِ عالم پلٹنے کے لیے کافی ہے۔روسی مصنف دوستوایوسکی نے حیران وسراسیمہ یورپ کے روبرو اس نقطہ نظر کو پیش کیا کہ اگر وہ خداوند کے وجود کا انکار کردے تو پھر اس کے لیے سب کچھ روا ہو جائے گا۔

آج کے اس خدا بیزار نظام سرمایہ داری کے پس منظر میں یہ جاننا از حد ضروری ہے کہ آخر ۱۹۰۰ء سے لے کر آج تک جو کچھ ہو رہا ہے یہ دراصل اشیائے سرمایہ داری کی جنگ ہے،جس کی اصل محرک بے آبرو اعداد وشمار پر مبنی وہ مالیات ہے جو اپنی ازلی بینک کرپسی پر پردہ ڈالنے کے لیے وسائل پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش میں لگی ہوئی ہے۔برطانوی،ڈچ اور یہودیوں کے روپ میں یورپ نے اپنی مہم کا آغاز ساؤتھ افریقہ کے اصلی باشندوں سے سیم وگہر ھتیانے کے راستے سے کیا۔۱۹۱۴ء تا ۱۹۴۵ء قلب یورپ میں جاری رہنے والی دوسری تیس سالہ جنگ نے یورپ کے توسیع پسندانہ منصوبے کو اپنے مرکز ہی کے اندر تہس نہس کر دیا۔اس طرح شرکائے جنگ میں سے ہر کسی نے ایک دوسرے کی زبردست طریقہ پر نسل کشی کی۔فرق بس اتنا تھا کہ آپ کو اپنی موت کا انتخاب بذات خود کرنا تھا۔آپ کو یا تو کسی گیس چیمبر میں زندگی کی آخری سانسیں لینی ہوتی،یا آتشی بمباری سے تباہ شدہ شہر میں جھلسانا ہوتا،یا دور کسی یخ بستہ جزیرے کے اندر خود کو جما کر موت کے منہ میں دے دینا ہوتا؟کیا اس پر اکتفا کیا جاسکتا ہے کہ زیادہ نسل کشی آپ کو بدتر انسان نہیں بناتی ہے؟۔ہولینڈ کے اندر جرمنی کے کونسنٹریشن کیمپ ''اوشیویسٹ''یا جاپان کے اندر ایٹمی بم کا نشانہ بننے والا ہیروشیما؟۔

سیاسی طبقے نے نسل کشی والی جنگوں کے احکامات تو جاری کیے تاہم سرمایہ دار طبقے نے معقول بازاری کاروائی پر مبنی غیر معقول سودی نظام پر چلنے والے سرمایہ دارانہ نظام کے اندر موجود لازمی نقص پر پردہ ڈالنے کے لیے انھوں نے جملہ

ضروریات کا انتظام کردیا۔ دو مختلف تشخص رکھنے والی اکائیوں کی جب ایک متحدہ نظام کی شکل میں شناخت کریں گے تو پھر ضرورت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہر چیز کا جداگانہ طور پر جائزہ لیا جائے اور اس کا مشاہدہ کیا جائے۔

۱۹۱۴ء سے ۱۹۴۵ء کی جنگ میں نہ صرف یورپ کا شاہانہ قومی نظام اپنے کیفر کردار کو پہنچا بلکہ اس کے نتیجے میں خود مختار ریاست ایک جداگانہ تخلیق کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔ یو این او نے اقوام کے خاتمے اور مافوق الاقوام اکائیوں کے آغاز کا اعلان کیا۔ اس کی عمومی نشست دس سال کے اندر بے بس ثابت ہوئی۔ (سیاسی اصطلاح میں اسے سپر پارلیمنٹ سے تعبیر کیا جاتا تھا) سیکورٹی کونسل نے نئے سپر گروپوں کے نئے پاور کنٹرول کی نشاندہی کی۔

جب عوام کی آزادی چھین لی گئی اور ان کی شناخت بھی بے نشان کردی گئی تو اس وقت جو حقیقی طاقت کا محور تھا اس نے اپنی شعبدہ بازی دکھانی شروع کی۔ عوام کی ایک تو یوں بھی کوئی اپنی حیثیت نہیں تھی پھر اس پر مستزاد یہ کہ وہ بے زبان تھے۔ اس طرح وہ ایک بے روپ بین الاقوامی قومیت کی شکل میں منصۂ شہود پر اُبھری۔ یعنی میڈیا کے قبضے میں آنے والی ایک غیر معروف شے۔

۱۹۴۵ سے ۲۰۰۰ء تک پاور سسٹم کے رول کو آپ ۲۰۰۹ء کے اختتام تک دیکھ سکتے ہیں۔ یہ ایک گروہ کے قبضے میں ہے اور ان کو چہار صد لوگ چلا رہے ہیں۔ چہار صد وہ افراد اور خاندان ہیں جو پوری دنیا میں بینکنگ، اسٹاک اور ایکسچینج کے اداروں کو چلا رہے ہیں۔

ان چہار صد نے عالمی نظام اتحاد و اکتساب کو اس نظام سے باہر کمیونسٹ گروپوں کو اپنے اندر سمو لیا تھا۔ اس نئے عالمی نظام کا سب سے بڑا دشمن چین ہے۔ گزشتہ ساٹھ سال سے مسلسل چین کے خلاف جنگ کا آغاز ہو رہا ہے۔

جنگ کا آغاز کوریا کے حملے سے ہوا۔ اس کے اندر ماوراء القومی جنگ کے سب نئے عناصر موجود تھے۔ جسے یوں باور کراتا تھا کہ آزاد اقوام ٹوٹیلے ٹیرین نظام کے خلاف محاذ آرا ہے۔

اس طرح یورپی اتحاد کی بنیاد فراہم کی گئی۔ اس جنگ کے پس پردہ وہی چہار صد افراد کے چہرے چھپے تھے۔ ۱۹۳۷ سے لے کر ۱۹۴۵ء تک امریکہ کے سیاسی طبقہ نے نہ صرف غلط فیصلے کیے بلکہ خطرناک ترین پالیسیوں کو بھی اختیار کیا۔ امریکہ کے اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کے ارکان کی نااہلیت کے نتیجے میں کمیونیزم نے سب کو اپنے دامِ تزویر کا اسیر کر لیا۔ چین اور امریکہ کے درمیان یہ دشمنی محض سرد جنگ کے بہت سے اختلاف میں سے ایک نہیں تھی بلکہ یہ اس کا مرکزی نقطہ تھی۔ یہ وہ ثبوت ہے جس نے ثابت کردیا کہ آج سے لے کر پیش آمدہ وقتوں میں جتنے پروگرام ز ہوں گے یا ہوئے ان کا سرچشمہ اقتصادی اُصول تھے۔

جنرل چانڈ کا نشک کی ناکامی کی وجہ سے اس تلخ حقیقت کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ چین ان چہار صد افراد کے عالمی نظام سے خارج ہو گیا۔ جنرلیلز مینو کا لقب واشنگٹن میں ''جنرل میرا چیک کیش کر دو''۔ بعد میں وہ کف افسوس ملنے پر مجبور ہوں گے کہ انھوں نے اس کی تجویز کے مطابق عمل درآمد کیوں نہیں کیا۔

امریکہ اور چین کے درمیان باہمی نزاع کا پہلا بڑا سبب نہ صرف کوریا تھا بلکہ اس سے نئے پاور محور کا انکشاف بھی مقصود تھا۔ قدیم قوم پرست (امریکہ کا سیاسی تشخص) دوسری جنگ عظیم کے بعد سے باقی رہنے والی امریکہ کی قوم پرست سیاسی شخصیت' کمانڈر ان چیف جنرل میک ارتھر نے جنگ کی سیاسیات کو جنگی اصطلاحات میں پڑھا تھا۔ جن کا کہنا ہے کہ اگر امریکہ نے جنگ کے اختتام کا فیصلہ نہیں کیا تو پھر چین کا ایک جزء لاینفک' شمالی کوریا امریکہ کو للکار دے گا۔ اور اس کی یہ بات صحیح ثابت ہوئی؛ کیوں کہ جوہری اسلحے سے لیس شمالی کوریا وہ دفاعی کردار ادا کر رہا ہے کہ چین پر حملے کی امریکی کارروائی کا حتی الامکان سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اس طرح ایشیا میں امریکی پالیسیوں کے راستے میں ایک بڑی مزاحمت بنا ہوا ہے۔ جیسا کہ تقسیم شدہ پولینڈ نے روس اور جرمنی کے درمیان حائل ہو کر ہونے والی جنگ کا رخ موڑ دیا تھا۔ اس طرح آج شمالی کوریا بھی چین اور امریکہ کے درمیان خط فاصل بن کر رہ گیا ہے۔

جنگ کا اگلا مرحلہ مکمل ناکامی اور اخلاقی پستی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ ان اتحادی طاقتوں کے لیے جو ویٹ نام کی سرزمین میں جنگ کے لیے کود پڑے تھے۔

کمبوڈیا میں اس خصومت کے استمرار نے واضح کر دیا کہ کس بے دریغ انداز میں چہار صد نے پوری قوم کو بینکی نظریہ کے نام پر عدم استحکام کے روبرو کرنے کے لیے کس طرح تیاریاں کیں۔ برطانیہ کی طرف سے چین کو ہانگ کانگ تسلیم کرنے لیے کے بعد چہار صد نے قمار بازی والے جزیرے کے روپ میں نعم البدل سرمایہ دار جزیرے کے طور پر ماکاؤ نامی ریاست کی بنیاد ڈالی جس طرح کہ پہلے انھوں نے ملیشیا سے سنگاپور والا بینکی علاقہ جدا کیا تھا۔ چہار صد نے اس کی بنیاد یورپی ماڈل لوکزمبرگ پر رکھی، جو ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، جو ایک محل گیراج اور بینک پر مشتمل ہے؛ لیکن یورپ کے اندر ایک پورا قومی تشخص ہے۔ یہاں تک کہ دستور سازی میں اس کو ویٹو کا پاور بھی دیا گیا ہے۔

جب چین نے تبت پر حملہ کیا تو دلائی لامہ کو ایک اہم کارکن کی حیثیت سے آگے لایا گیا؛ جیسا کہ امریکہ نے پہلے چیانگ کائی شیک کے ساتھ کیا تھا۔ بینک کار طبقے نے افغانستان پر چڑھائی اپنے نظام کی مکمل ناکامی کی وجہ سے کیا۔

نیٹو کے نام پر سلامتی کا یہ نمونہ اتحاد کے خوبصورت لبادے میں لپیٹا گیا ہے، اور انھوں نے وہاں پر جنگ کو مزید اچھے انداز میں قاہو ادینے کی کوششیں کیں کہ وہ وہاں پر وہابی دہشت گردی کے بانی کی تلاش میں ہیں۔ حالاں کہ اسامہ بن لادن چند سال قبل ہی جام شہادت نوش کر گیا ہے۔ اور یہ کہ وہاں پر شیطان صفت طالبانِ دین کا صفایا کیا جا رہا ہے جو کہ درحقیقت ملک کے نوجوانوں کی اپنی آزادی کی جنگ ہے۔ چہار صد نے ملاحظہ کیا ہے کہ افغانستان میں ان کی جنگ ان کی بقا کے لیے

ازحد ضروری ہے۔ یونانی مورخ تھوکیڈیڈس جسے اپی ٹی کا شموس کہا جاتا ہے کا کہنا ہے کہ افغانستان کو جنگ درکار ہے۔ اس نے مزید کہا کہ ہم انہی کی سرزمین میں اپنے ٹھکانے کو مضبوط کر سکتے ہیں اور وہ یہ کہ ایک ملک پر فوجی قبضہ کر لو سرحد کا وہ حصہ جو کہ چین کے ساتھ متصل ہے۔ تھوکا کیڈیڈس اس حکمت عملی پر اس طرح روشنی ڈالتا ہے۔ جنگ کے لیے کوئی خاص قواعد وضوابط نہیں ہوتے اس کے علاوہ کسی بھی ایمرجنسی سے نمٹنے کے لیے جنگ خود بخود حل تجویز پیش کرتی ہے۔

اس لیے افغانستان کی سرزمین وہ علاقہ ہے جہاں سے چہار صد افراد یا خاندانوں پر مشتمل حکومتی ٹولہ چین کے خلاف فیصلہ کن جنگ کے اگلے مرحلے کی طرف پیش قدمی کر سکتا ہے۔

اتحادی قوتوں کو اس پروگرام پر عمل درآمد کرنے کے لیے برطانوی جنرل نے کہا کہ موجودہ حملہ آور فوج نے وہاں پر چالیس سال تک اس ملک میں ٹھہرنا ہے۔

اس وجہ سے اس سوال کے جواب پوچھنے کے لیے وزارت دفاع اور متعلقہ سیاسی اداروں سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیا اتحادی افواج کے فطری اور غیر فطری جنسی تقاضوں کو پورا کرنے کی حتی الامکان ضمانت دی گئی ہے۔

کیا ان کا خیال ہے کہ نیٹو کے فوجی کسی جنسی محرک سے محروم تاریخ کی پہلی قابض فوج ہے اور ان کا کام محض قتل وغارت گری ہے۔ کیا جس طرح جرمنی نے ورلڈ کپ کے لیے مشرقی یورپ سے طوائفوں کے بھرے جہاز روانہ کیے تھے اس طرح یہاں بھی اس طرح کرتے ہیں۔

امریکی فوجی اپنے نوجوانوں کے قانونی تقاضے پوری کریں گے جس طرح انھوں نے امریکہ میں کیا۔ کیا طوائف بازی ایک ریاستی تجارت یا ذاتی طور پر سرمایہ داری کے تقاضوں کے مطابق چلائی جاتی ہے۔

کیا قانونی طور پر چلنے والی طوائف یا کوٹھوں والے انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں؟ کیا ان طوائف لڑکیوں کو یورپ میں ٹریڈ یونین کی حیثیت علی الاقل دی جائے گی۔

اتحادی حکومتیں غمزدہ والدین کو یہ یقین دہانی کرا سکتی ہیں کہ ان کے بچوں کی ہلاکت تک ان کی جملہ ضروریات کا خیال رکھا جائے گا۔

یہ افغانستان میں ہونے والی جنگ کا ایک نازک پہلو ہے۔ اس عظیم مسلمان قوم کو تخت وتاراج کرنے سے ہر طویل المیعاد جنگ میں یہ وقوع پذیر ہوتا آرہا ہے۔

اے اُمت مسلمہ! ایسے سنگین حالات میں تجھ پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟۔ ہاں یہ سب کچھ بینکی نظام خصوصا اسلامی بینک کاری کا شاخسانہ ہے۔ کیوں کہ اس کا تقاضا کفری نظام کو در حقیقت قبول کرنا ہے۔

فی الحال دونوں بڑے محاذ مخالفین ہم پر نظر جمائے ہوئے ہیں۔ یقیناً دونوں پارٹیاں، بینک کاروں کی اتحاد اور چینی بربریت بلا کسی خوف و تردد کے ہمیں بے دریغ قتل کر رہے ہیں۔

جس طرح یونانی فاتحین سپارٹان کے ٹولے نے ایتھنز کے خلاف ایک طویل جنگ چھیڑی تھی محض جزوی طور پر ابھرتے ہوئے ایران نے ان کا رخ موڑ دیا تھا۔ بعینہٖ آج بھی دونوں طاقت کی ہوس میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن ایران نے ان کا رخ موڑ دیا ہے۔ انھوں نے عالمی غلبہ کے حصول کے لیے ایسا وسیع و عریض پروگرام تشکیل دیا ہے کہ وہ یہ دیکھنے سے قاصر رہیں کہ ایک عظیم عالمی قوت ابھرنے والی ہے۔ یہ اعلیٰ انسانی تہذیب کی طاقت ہے۔ جس کو مختلف سزاؤں کے ذریعہ خستہ اور کمزور کر کے رکھ دیا گیا ہے اور اس سے بڑھ کر چھوٹے اسماعیلی اور شیعہ عقیدے اور خودکشی کی کافرانہ لعنت کے غلبے اسے مزید رسوا کیا ہے۔

سپارٹا اور ایتھنز کی قدیم دنیا اس وقت ناپید ہو گئی ہے۔ جب قانون ساز منتظم کی حیثیت سے انسان کے اعلیٰ دور اندیشی کے ساتھ روم کی سلطنت ابھر کر آئی اس طرح امریکہ کا دس سالہ طاقت بھی جو بظاہر ایسے فن حربی میں ممتاز نظر آتا ہے اور الحادی چین کے غیر تعلیم یافتہ پست قد انسان اپنے خاتمے کو اعلیٰ بصیرت والے انسانوں کی عالمی امت کے ہاتھوں پہنچ جائیں گے۔ وہ اعلیٰ بصیرت جو وقت کا تقاضا ہے وہ کیا ہے؟۔

وہ یہ کہ انسان کو اس سرزمین کی حفاظت و سلامتی کی خاطر متعین کیا گیا ہے۔ اسلام کے مطابق انسان اس دنیا کا محافظ ہے اس کی خشکی، اس کی تری، اس کی فضا اور جملہ ذی روح مخلوق کا۔ اسلامی نظام کا اس دنیا پر نفاذ اس مرنے والے سیارے کے ماحولیاتی سلامتی ہوگی۔

اس حقیقت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۂ اعراف کی اس آیت میں دوٹوک بیان فرما دیا ہے :

هُوَ الَّذِی جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْاَرْضِ ۝

اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا۔ (سورۂ انعام:۶/۱۶۵)

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِینَ كَانُوا یُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِی بَارَكْنَا فِیهَا ۝

اور ہم نے اس قوم کو جو کمزور اور استحصال زدہ تھی اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جس میں نے برکت رکھی تھی۔ (سورۂ اعراف:۷/۱۳۷)

روئے زمین اور اس پر بسنے والے انسانوں کے لیے یہ مدد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے چاہے سے سمرقند، بلخ، کاشغر، لاہور، کازان، اجمیر، غرناطہ، اور سرائیوں سے ہوتے ہوئے آئے گی۔